POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 December 2024, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 23-12-2024 • Price: 5/- • 1-7 January 2025 • Issue: 1 • Vol:84
یکم تا ۷ر جنوری ۲۰۲۵ء • شمارہ:۱ • جلد:۸۴

صحتِ زبان (۲۲)

رؤف پاریکھ

☆ قوس وقزح یا قوسِ قزح؟

ذوالفقار علی بخاری (جو زیڈ اے بخاری کے نام سے معروف تھے) ریڈیو پاکستان کے ڈائرکٹر جنرل تھے۔ بخاری صاحب اپنی انتظامی صلاحیتوں اور قدرے تنک مزاجی کے علاوہ اپنی حسِ مزاح اور زبان کے استعمال کے معاملے میں احتیاط کے لیے بھی مشہور تھے۔

ایک بار ریڈیو پاکستان سے غالبؔ کی ایک غزل نشر ہو رہی تھی جسے ایک خاتون گا رہی تھیں۔ جب وہ اس شعر پر پہنچیں:

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

تو پہلے مصرعے کو انھوں نے یوں گایا:

’قید و حیات‘ و’بند و غم‘ اصل میں دونوں ایک ہیں

بخاری صاحب نگرانی کے خیال سے ریڈیو کی نشریات مستقل سنتے رہتے تھے اور انھوں نے جب یہ مصرع سنا تو ان کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی اور انھوں نے ماتحت عملے سے کہا ”اس سے جا کر کہو کہ اس مصرعے کو یوں گائے:

’قید و حیات‘ و’بند و غم‘ اصل میں ’چاروں‘ ایک ہیں

یہ کمال تھا اس نامعقول واوِ عطف کا جو کسرۂ اضافت کے بجائے ٹپک پڑا تھا۔

وہ خاتون تو بے چاری گلوکارہ تھی۔ لیکن اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو اس واوِ عطف سے الجھتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ واوِ عطف سے مراد ہے وہ واو (و) جو دو الفاظ کے درمیان آ کر ’اور‘ کا مفہوم دیتا ہے، جیسے: دل و دماغ، حسن و عشق، دنیا و آخرت، گل و خار وغیرہ۔ یہ واوِ عطف قوسِ قزح جیسے مرکبات میں بھی غیر ضروری طور پر داخل ہو جاتا ہے اور بعض لوگ اسے قوس وقزح لکھتے اور بولتے ہیں جو غلط ہے۔

درست ترکیب ہے: قوسِ قُزح۔ فرہنگِ آصفیہ کے مطابق قُزح ایک فرشتے کا نام ہے جو موکل ہے اَبر (یعنی بادل) کا، گویا قوسِ قُزح کا لفظی مطلب ہوا قُزح کی کمان۔ آصفیہ نے لفظ قُزح کی تشریح میں برہانِ قاطع کے حوالے سے لکھا ہے کہ قُزح ایک شیطان کا بھی نام ہے اسی لیے قوسِ قزح کو قوسِ شیطان بھی کہتے ہیں [یعنی شیطان کی کمان]۔ یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ قوسِ قُزح کے مرادی معنی ہیں وہ رنگین کمان جو بارش اور بادلوں کی وجہ سے آسمان پر بنتی ہے۔ اس میں مختلف رنگوں کی روشنیوں کی شعاعیں آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نیم دائرے کی شکل میں جاتی نظر آتی ہیں جس سے قوس یعنی کمان کا گمان ہوتا ہے۔ اسے دھنک بھی کہتے ہیں۔ اسے ست رنگی کمان بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اول تو قوسِ قزح میں واوِ عطف نہیں ہے بلکہ کسرۂ اضافت ہے یعنی قوس کے ’س‘ کے نیچے زیر ہے جو حرفِ اضافت کا کام کرتا ہے (یعنی ’کا‘ یا ’کی‘ یا ’کے‘ کا مفہوم ادا کرتا ہے)۔ اور دوسرے یہ کہ قُزح میں قاف پر ضمہ (پیش) ہے، فتحہ (زبر) نہیں ہے۔ فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات، اسٹین گاس، پلیٹس، فیلن، فرہنگِ تلفظ اور علمی اردو لغت سب نے اس کا تلفظ ’ق‘ پر پیش کے ساتھ یعنی قُزح دیا ہے۔

یہاں آصفیہ نے منتخب اللغات کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس کے مطابق قزح دراصل ایک مرکب ہے اور اس سے مراد ہے زرد، سرخ و سبز راستہ۔ اسٹین گاس کے مطابق قوس کہتے ہیں کمان کو اور قُزح اس فرشتے کا نام ہے جس کے اختیار میں بادلوں کو دیا گیا ہے اور قوسِ قزح کے معنی ہیں دھنک۔ نور اللغات کے مطابق قزح ماخوذ ہے قزحہ سے، جس کے معنی ہیں زرد، سرخ، سبز۔ لیکن اس کا کوئی حوالہ نور نے نہیں دیا۔

بہر حال، اشتقاق سے قطع نظر، قوس وقَزح درست نہیں ہے۔ صحیح ترکیب ہے: قوسِ قُزح۔

☆ عوام: مذکر یا مونث؟

اب ریڈیو اور ٹی وی کے تلفظ کا جو عالم ہے اسے دیکھ کر مرحوم زیڈ اے بخاری کا خدا جانے کیا ردعمل ہوتا۔ اگر وہ حسبِ سابق کسی اعلیٰ عہدے پر ہوتے تو شاید زیادہ تر پروگرام نشر ہی نہ ہو سکتے۔ مثال کے طور پر اب ٹی وی کے بیش تر چینل لفظ ’عوام‘ کو مذکر اور جمع کے بجائے مونث اور واحد بولتے ہیں یعنی ”عوام سوچ رہے ہیں“ کے بجائے ”عوام سوچ رہی ہے“۔ ان کی دیکھا دیکھی اب اخبارات بھی اسی طرح لکھنے لگے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس کی کیا سند ہے؟

عوام دراصل جمع ہے ’عامّہ‘ کی۔ عوام کا مفہوم ہے عام لوگ، تمام لوگ۔ اردو کی تمام لغات کے مطابق عوام جمع ہے اور مذکر ہے۔ گویا ”عوام سوچ رہی ہے“ یا ”کہہ رہی ہے“ لکھنا یا بولنا بالکل غلط ہے۔ درست یوں ہوگا: ”عوام سوچ رہے ہیں“ یا ”عوام کہہ رہے ہیں“۔

☆ اَملاک، اَضلاع، اَقساط وغیرہ

خدا بھلا کرے ٹی وی والوں کا جنھوں نے اردو زبان کا حلیہ بگاڑنے میں بڑی محنت کی ہے۔ ٹی وی پر اَملاک، اَضلاع اور اَقساط جیسے الفاظ کا تلفظ اکثر غلط کیا جاتا ہے اور انھیں الف پر زبر کے بجائے الف پر زیر کے ساتھ یعنی غلط طور پر اِملاک، اِضلاع اور اِقساط وغیرہ بولا جاتا ہے، حالاں کہ اس طرح ان الفاظ کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔

عربی الفاظ کی جمع بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے سہ حرفی مادّے کو توڑ کر کسی خاص وزن پر جمع بنائی جاتی ہے۔ اسے جمع مُکَسَّر (تلفظ: مُکَس سَر؛ مفہوم: ٹوٹا ہوا) کہتے ہیں کیوں کہ اس میں لفظ اپنی اصل شکل میں برقرار نہیں رہتا بلکہ ٹوٹ جاتا ہے یعنی اس کے سہ حرفی مادّے کو توڑ دیا جاتا ہے۔ جمع مکسر بنانے کے لیے عربی الفاظ کے کئی اوزان ہیں اور وہ اردو میں بھی رائج ہیں۔ ان میں سے ایک وزن ’اَفعال‘ (الف پر زبر) ہے۔ مثال کے طور پر لفظ خبر کی جمع ’اَفعال‘ کے وزن پر اَخبار (الف پر زبر کے ساتھ) ہے۔ اس وزن (اَفعال) پر جس عربی لفظ کی بھی جمع بنے گی اس کا پہلا حرف الف (زبر کے ساتھ) ہوگا، دوسرا حرف ساکن ہوگا اور آخری حرف سے پہلے الف ہوگا۔ دراصل عربی الفاظ کی جمع بنانے کے اس وزن (اَفعال) میں سہ حرفی مادّے کی ابتدا میں الف (زبر کے ساتھ) لگا دیتے ہیں اور سہ حرفی مادّے کے آخری حرف سے پہلے الف کا اضافہ کرتے ہیں، مثلاً:

لفظ	سہ حرفی مادّہ	جمع
فعل	ف ع ل	اَفعال
خبر	خ ب ر	اَخبار
شجر	ش ج ر	اَشجار
قسط	ق س ط	اَقساط
قسم	ق س م	اَقسام

قارئین! اب ’ہماری زبان‘ کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

ضلع	ض ل ع	اَضلاع
مِلک	م ل ک	اَملاک

اس وزن پر کئی الفاظ ہیں جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کا پہلا حرف الف (زبر کے ساتھ) ہوتا ہے اور سہ حرفی مادّے کے آخری حرف سے پہلے الف کا اضافہ ہوتا ہے، مثلاً جسم کی جمع اَجسام، ذہن کی جمع اَذہان، سلف کی جمع اَسلاف، خلف کی جمع اَخلاف، صنف کی جمع اَصناف، علَم کی جمع اَعلام، فوہ کی جمع اَفواہ، زوج کی جمع اَزواج، جنس کی جمع اَجناس، طور کی جمع اطوار، وغیرہ۔

لیکن افسوس کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ان الفاظ کے پہلے حرف پر زبر پڑھنے کی بجائے اس کے نیچے زیر پڑھتے ہیں اور انھیں احساس تک نہیں ہے کہ اس سے مفہوم بدل جاتا ہے۔ قیوم ملک نے اپنی کتاب 'اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ' (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۷۹ء) میں لکھا ہے کہ اَفعال (یعنی الف پر زبر) کے وزن پر بنائے گئے الفاظ کو اگر اِفعال (یعنی الف کے نیچے زیر) بولا جائے تو مفہوم قطعی مختلف ہوجاتا ہے، مثلاً مرض کی جمع اَمراض (الف پر زبر) ہے یعنی بیماریاں، اگر اسے اِمراض (الف کے نیچے زیر) کہا جائے تو مطلب ہوگا مریض کرنا (یعنی مریض بنانا)۔ اسی طرح اِملاک (الف کے نیچے زیر) کا مفہوم ہوگا مالک بنانا، اِخبار (الف کے نیچے زیر) کا مطلب ہے خبر دینا (ص ا)۔

عرض یہ ہے کہ ان الفاظ کے پہلے حرف پر زبر ہے۔ زیر سے مفہوم کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔ گویا درست تلفظ الف پر زبر کے ساتھ اَملاک، اَقساط اور اَضلاع وغیرہ ہے۔

☆ برِصغیر یا برِعظیم؟

پاکستان، ہندستان اور بنگلا دیش کو ملا کر انگریزی میں ''سب کونٹی نینٹ'' (subcontinent) کہا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ بالعموم 'برِّ صغیر' کیا جاتا ہے۔ اسی طرح Indo-Pak subcontinent کو اردو میں 'برِ صغیر پاک و ہند' لکھا جاتا ہے۔

بعض اہلِ علم ''سب کونٹی نینٹ'' (subcontinent) کا ترجمہ برِصغیر کے بجائے برِعظیم کرتے ہیں، مثلاً ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی معرکہ آرا کتاب The Muslim Community of Indo-Pakistan Subcontinet کا جب ہلال احمد زبیری نے اردو میں خوب صورت اور رواں ترجمہ کیا تو اس کا نام 'برِّ عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ' رکھا (مطبوعہ شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی)۔ بعض لوگ پوچھتے بھی ہیں کہ برِعظیم کیوں برِصغیر کیوں نہیں؟

دراصل انگریزی کے لفظ کونٹی نینٹ (continent) کا ترجمہ اردو میں برِاعظم کیا جاتا ہے۔ 'بَرّ' (بے پر زبر اور رے پر تشدید) عربی کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے زمین یا خشکی، یعنی پانی یا سمندر کے مقابل میں خشکی کو بر کہتے ہیں۔ بر کی ضد ہے بحر یعنی سمندر (اسی لیے بحر و بر کی ترکیب، لغوی معنی سے قطع نظر، 'پوری دنیا' یا 'ہر جگہ' کے مفہوم میں بھی استعمال کی جاتی ہے)۔ 'اعظم' کا مطلب ہے زیادہ بڑا، زیادہ عظیم، سب سے بڑا، سب سے عظیم۔ مثلاً قائدِ اعظم یعنی سب سے بڑا قائد۔ برِاعظم کو براعظم اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ خشکی کا ایک بہت عظیم، زیادہ وسیع اور مسلسل قطعہ ہوتا ہے۔ دنیا میں سات براعظم ہیں اور ہمارا براعظم ایشیا ان میں سے ایک ہے۔ لیکن براعظم ایشیا میں ایک خطہ اتنا بڑا ہے کہ بذاتِ خود ایک چھوٹا سا براعظم ہے یعنی پاکستان، ہندستان اور بنگلا دیش کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ ایک چھوٹا سا براعظم ہے۔ لیکن اس چھوٹے براعظم کو برِصغیر کہا گیا۔ صغیر کا مطلب ہے چھوٹا اور برِصغیر کا مطلب ہوا خشکی کا چھوٹا سا ٹکڑا۔ اور خشکی کا چھوٹا سا ٹکڑا تو کوئی ملک بھی ہوسکتا ہے اور کوئی چھوٹا سا جزیرہ بھی۔ لیکن ہمارا یہ چھوٹا ٹکڑا اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے کہ اسے برِ''صغیر'' کہا جائے۔ دراصل کسی چیز کی چھوٹائی اور بڑائی کا تصور اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک اس کا موازنہ کسی اور چیز سے نہ کیا جائے۔ مثلاً ہاتھی کا بچہ جتنا بھی چھوٹا ہو، وہ بڑے سے بڑے چوہے سے بڑا ہوگا۔ اسی طرح براعظم جتنا بھی چھوٹا ہو اتنا چھوٹا نہیں ہوگا کہ اسے چھوٹا یعنی صغیر کہا جاسکے۔

ہم جیسے طالبِ علموں کو سمجھنا چاہیے کہ اگر قواعد کے لحاظ سے موازنے کو دیکھا جائے تو 'اعظم' تفضیل ہے 'عظیم' کی نہ کہ 'صغیر' کی۔ یعنی اعظم سے کم تر درجے میں عظیم ہوتا ہے۔ ہاں اصغر سے کم تر درجے میں صغیر ہوگا۔ عربی زبان میں جب کسی چیز کا موازنہ کرنا ہو اور اسے مقابلتہً برتر ظاہر کرنا ہو تو اس کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے اسے قواعد میں اسمِ تفضیل کہتے ہیں۔ تفضیل اصل میں فضل (ف۔ض۔ل) سے ہے۔ تفضیل کے لفظی معنی ہیں فضیلت دینا، فوقیت دینا، ترجیح دینا۔ جب ایک چیز دوسری سے بڑھ کر ہو تو اسے ظاہر کرنے کے لیے اسمِ تفضیل لاتے ہیں۔ اس کو افعل التفضیل بھی کہتے ہیں۔ یہ اکثر ثلاثی مجرد کے ابواب سے بنتا ہے اور اس میں مذکر کے لیے 'اَفعَل' (اَ۔ف۔عَ۔ل) کے وزن پر الفاظ بنائے جاتے ہیں (مثلاً اعظم، اصغر، اکبر) اور مؤنث کے لیے فُعلیٰ کے وزن پر (مثلاً عظمیٰ، صغریٰ، کبریٰ)۔ (انجمن ترقی اردو (ہند) سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ 'صغریٰ' کو 'صغرا' لکھنا اسی لیے ہماری نظر میں بدعت ہے کہ یہ اصول سے ہٹ کر ہے اور فعلیٰ کے وزن پر نہیں ہے)۔ طلبہ کی خدمت میں اسمِ تفضیل کی چند مثالیں وضاحتاً پیش ہیں:

لفظ	اسمِ تفضیل
رشید	ارشد (زیادہ ہدایت یافتہ)
جمیل	اَجمل (زیادہ حسین یا سب سے حسین)
حقیر	احقر (زیادہ حقیر یا سب سے حقیر)
صغیر	اَصغر (زیادہ چھوٹا یا سب سے چھوٹا)
عظیم	اَعظم (زیادہ بڑا یا سب سے بڑا)
کبیر	اَکبر (زیادہ بڑا یا سب سے بڑا)

اگر خشکی کا بڑا ٹکڑا 'بر اصغر' ہوتا تو ہم اپنے خطے کو برِصغیر کہتے۔ لیکن خشکی کا یہ ٹکڑا اصل میں 'برعَظیم' ہے یعنی اعظم سے چھوٹا یا کم درجے کا ہے۔ اور اعظم سے کم تر درجے میں عظیم ہوگا نہ کہ صغیر، اس لیے برعظیم کہنا چاہیے۔

یاد رہے کہ عربی کے 'بر' میں رے (ر) پر تشدید ہے یعنی یہ 'برّ' ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ایک 'بر' فارسی میں بھی ہے (بغیر تشدید کے) جس کا مطلب ہے: پر، کے اوپر، مثلاً بروقت یعنی ٹھیک وقت پر۔ برمحل یعنی صحیح موقعے پر، مناسب و موزوں۔ ایک 'بر' اردو اور ہندی میں بھی ہے۔ یہ بھی بغیر تشدید کے ہے اور اس کا مطلب ہے: ہونے والا شوہر، منگیتر، وہ جو کسی لڑکی سے شادی کا خواہش مند ہو، وہ لڑکا جس سے کسی لڑکی کی منگنی یا شادی طے ہو، متوقع رشتہ۔ بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ کوئی اچھا بر ملے تو لڑکی کی بات طے کریں۔ اسی لیے شادی سے پہلے 'بر دِکھوّا' ہوتا ہے گویا بر (یعنی متوقع رشتہ) دِکھانے کا عمل۔ اسے بر دِکھائی یا بر دِکھاوا بھی کہتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ''کہتے تھے'' اور ''ہوتا تھا''۔ کیوں کہ اب تو لڑکیاں چشمِ بددور خود ہی موبائل فون پر اپنا بر نہ صرف دیکھ لیتی ہیں بلکہ پسند کر کے ہاں بھی کر دیتی ہیں۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میاں من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیرالدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-
مٹی کا قرض	ڈاکٹر نریش	300/-

عصرِ حاضر میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی معنویت

مرضیہ عارف

بیسویں صدی کے ابتدائی حصّے میں جن فرزندانِ وطن نے اپنا تن من دھن ملک وملت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، ان محبِّ وطن ہستیوں میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کا نام سرِ فہرست ہے۔ حکیم اجمل خاں کی پیدائش دہلی کے ایک معروف خاندان میں ہوئی، اُن کے والد حکیم غلام محمود خاں اعظم اپنے عہد کے مشہور طبیب ہونے کے ساتھ نہایت خداپرست، دیندار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ 1857 کے پُرآشوب حالات میں اُنھوں نے دہلی میں ہی قیام کرکے انگریز حاکموں سے سفارش کے ذریعے سیکڑوں بے گناہ شہریوں کو رہا کرایا اور اُن کی ضبط شدہ املاک واپس دلوائیں۔

حکیم اجمل خاں کے آباء واجداد بابر کے عہد میں سمرقند سے ہندستان آئے تھے، والد کے پردادا حکیم واصل خاں اورنگ زیب کے زمانے میں آگرے سے دہلی منتقل ہوئے اور شاہی طبیب کی حیثیت سے اُنھیں جاگیریں عطا ہوئیں جو 1857 کے بعد انگریزوں نے ضبط کرلیں بعد میں اُس کی جگہ کچھ وظیفے مقرر کیے گئے۔

حکیم اجمل خاں نے نوعُمری میں قرآن پاک حفظ کیا، منطق وفلسفہ کا درس مولانا عبدالحق دہلوی اور مولانا عبدالرشید سے حاصل کیا۔ عربی فارسی پڑھ کر فنِ طب کی کتابیں اپنے بھائیوں سے پڑھیں اور والد حکیم غلام محمود سے طب کی عملی تربیت حاصل کی، وہ 11 فروری 1868 کو پیدا ہوئے اور 29 دسمبر 1927 کو وفات پائی۔ حکیم اجمل خاں کی پیشہ ورانہ زندگی کی طرح عملی اور سیاسی سرزمین بھی کافی زرخیز ثابت ہوئی۔ اٹلی نے جب طرابلس پر حملہ کیا تو پورے عالمِ اسلام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور ہندستان میں خلافت تحریک اِس مقصد سے وجود میں آئی کہ ترکی میں خلافت کا ہر قیمت پر تحفظ ہو، لہٰذا اِس تحریک سے ملک کے تمام بڑے لیڈر وابستہ ہوگئے، مقصد یہ تھا کہ ترکی کی عثمانی سلطنت، جو وقت آنے پر برطانیہ سے مقابلہ کرسکتی ہے بلا لحاظِ مذہب وملت سب اُس کی حمایت کریں۔ مہاتما گاندھی سے لے کر محمد علی جوہر، مولانا آزاد، پنڈت نہرو، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں اور بی آر داس سبھی خلافت کمیٹی کے ہمنوا بن گئے۔

حکیم اجمل خاں دہلی کے بے تاج بادشاہ تھے، وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے زندگی بھر ممبر رہے، دہلی کے عوام اُن پر دل وجان سے فدا تھے، یہ ہندو مسلم اتحاد کا سنہرا دور تھا، کانگریس اور مسلم لیگ شانہ بشانہ کام کرتی تھیں، اُن کے سالانہ اجلاس بھی اکثر ساتھ ساتھ ہوا کرتے تھے۔ حکیم اجمل خاں دونوں کے مقتدر رہنما تھے، اُنھوں نے گاندھی جی کے بارے میں اُسی زمانے میں کہا تھا کہ ’’یہ شخص نہایت سچا، بلند حوصلہ اور اعلا پایے کا انسان ہے، اگر زندہ رہا تو ایک روز کانگریس بلکہ تمام ہندستان کو بڑے مرتبے تک پہنچائے گا‘‘۔ سیاست میں حکیم اجمل خاں کے عروج ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ نہ صرف کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے مشترکہ اجلاسوں کی صدارت کرتے بلکہ یہ امتیاز بھی مسلمانوں میں صرف اُنھیں حاصل ہوا کہ دہلی میں ہندو مہاسبھا نے جب اپنا سالانہ اجلاس کیا تو حکیم اجمل خاں کو مجلسِ استقبالیہ کا صدر بنایا۔

محسن الملک حکیم اجمل خاں کی یہ کرشمائی شخصیت کا ہی نتیجہ تھا کہ اُنھوں نے تادمِ آخر ہندو مسلم اتحاد کے تانے بانے کو بکھرنے نہیں دیا، مہاتماگاندھی سے اپنی بات منوالینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن حکیم اجمل خاں نے اُن سے بھی ضرورت پڑنے پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور بہت سی باتیں منوائیں، اُن کا ذہن ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر پلیٹ فارم پر وہ اپنی بات مدلل انداز میں کہتے اور اکثر منوا بھی لیتے تھے، وہ مخالفت و موافقت کی پرواہ کیے بغیر اپنی راہ پر گامزن رہے، انھوں نے قربانیاں بھی دیں اور ضرورت پڑنے پر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت دکھائی اور وقت آیا تو ’صادق الملک‘ کا خطاب بھی حکومت کو لوٹادیا، جس کے بعد قوم نے اُنھیں ’’مسیح الملک‘‘ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ حکیم صاحب نے اپنے دواخانے کا نام یونانی دواخانہ نہ رکھ کر ہندوستانی دواخانہ رکھا اور طبّیہ کالج کے افتتاح کے لیے کسی طبیب کا نہیں مہاتماگاندھی کا انتخاب کیا۔

اُنھیں زندگی میں جو قبولیت مختلف میدانوں میں ملی وہ بھی قابلِ رشک ہے، ایک معالج اور حکیم کی حیثیت سے حکیم اجمل خاں نے انسانی جسم کے امراض کا ہی علاج نہیں کیا، قومی امراض کی بھی تشخیص کی یعنی اُن کی نبض شناسی مریضوں تک ہی محدود نہیں تھی، اُنھوں نے قوم کی اجتماعی زندگی کی نبض پر بھی ہاتھ رکھ کر نفاقِ باہمی، گروہی تعصب اور سیاسی آویزش کے خلاف متوجہ کیا، وہ زندگی بھر مسلمانوں کے مسائل کے لیے ہی فکرمند نہیں رہے، اُنھوں نے ہندستان کے ہر طبقے اور مذہب کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے جہاں بھی موقع، ملا آواز بلند کی اور کندھے سے کندھا ملا کر قومی اتحاد کے لیے کام کرتے رہے۔

محسن الملک حکیم اجمل خاں کی یہ کرشمائی شخصیت کا ہی نتیجہ تھا کہ اُنھوں نے تادمِ آخر ہندو مسلم اتحاد کے تانے بانے کو بکھرنے نہیں دیا، مہاتما گاندھی سے اپنی بات منوالینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن حکیم اجمل خاں نے اُن سے بھی ضرورت پڑنے پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور بہت سی باتیں منوائیں، اُن کا ذہن ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر پلیٹ فارم پر وہ اپنی بات مدلل انداز میں کہتے اور اکثر منوا بھی لیتے تھے، وہ مخالفت وموافقت کی پرواہ کیے بغیر اپنی راہ پر گامزن رہے، انھوں نے قربانیاں بھی دیں اور ضرورت پڑنے پر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت دکھائی اور وقت آیا تو ’صادق الملک‘ کا خطاب بھی حکومت کو لوٹا دیا، جس کے بعد قوم نے اُنھیں ’مسیح الملک‘ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ حکیم صاحب نے اپنے دواخانے کا نام یونانی دواخانہ نہ رکھ کر ہندوستانی دواخانہ رکھا اور طبّیہ کالج کے افتتاح کے لیے کسی طبیب کا نہیں مہاتما گاندھی کا انتخاب کیا۔

حکیم اجمل خاں کی دوررس نگاہیں سو سال بعد کے ہندستان کو دیکھ رہی تھیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے ایک صدی پہلے دیسی طریقۂ علاج کے جس تعلیمی وتحقیقی ادارے کی بنیاد رکھی تو اُس میں آیورویدک اور یونانی طبّی تعلیم دونوں کا مشترکہ نظام قائم کیا اور جو تنظیم قائم کی اُس کا نام بھی آل انڈیا آیورویدک و یونانی طبی کانفرنس رکھا۔ اُنھوں نے علم وادب اور زبان کے مختلف شعبوں کی خدمت کو اپنا مشن بنائے رکھا تھا، دہلی میں اُن کے قائم کردہ دو تعلیمی ادارے آج بھی اُن کا نام روشن کررہے ہیں، اوّل جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، ایک مرکزی یونی ورسٹی کی حیثیت سے کاروبارِ علم و ادب میں مصروف ہے، دوسرے قرول باغ میں اُن کا قائم کیا ہوا آیورویدک اور یونانی طبیہ کالج جو طب یونانی اور آیورویدک طریقۂ علاج کی تعلیم میں ایک صدی کا عرصہ مکمل کرچکا ہے۔

حکیم اجمل خاں کے مذکورہ تاریخی کاموں کے جائزے سے واضح ہوجاتا ہے کہ انھوں نے ملک وقوم کی خدمت کو اپنا مشن بنائے رکھا اور آنے والی نسلوں کے لیے یہی پیغام چھوڑا کہ ہندستان کا مستقبل گروہ بندی میں نہیں، مل جل کر رہنے اور سب کی بھلائی کے لیے کام کرنے میں ہے۔

مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال-462001
Mob. 6267843376

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

اردو دُنیا

نالندہ میں اردو کو اس کا واجب حق دلانے کے لیے ڈی ایم نالندہ سے کئی مطالبے کیے گئے

بہار شریف (16 دسمبر)۔ گذشتہ روز انجمن ترقی اردو نالندہ کی ایک مشاورتی نشست زیرِ صدارت حاجی سلطان انصاری صغریٰ ہائی اسکول کے سکریٹری آفس میں منعقد کی گئی جس میں موجود تمام عہدیداروں و اراکین نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ لیا کہ حال ہی میں انجمن ترقی اردو بہار کی جانب سے نالندہ شاخ کی جونئی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے اس میں نالندہ کے نامور اُدبا و شعرا اور اردو تحریک سے وابستہ شخصیات کو شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ ضلع مجسٹریٹ نالندہ کے نام ایک میمورنڈم بھی تیار کیا گیا جس میں سرکاری دفاتر و تعلیمی اداروں کے سائن بورڈ اور افسروں کے ناموں کی تختیاں اردو میں بھی لکھے جانے، اردو اسکولوں میں تمام مضامین کی درسی کتابیں اردو میں فراہم کرائے جانے، اردو میڈیم سے پرائمری و مڈل سطح کی بنیادی تعلیم دیے جانے کے مقصد سے اساتذہ کی خصوصی تربیت کرانے، ضلع کے مختلف شاہراہوں کے علاوہ تمام سڑکوں کے نام اور مفادِ عامہ کے ہورڈنگ و اشتہار اردو میں بھی لگائے جانے کے مطالبات شامل ہیں۔ اس نشست میں موجود شرکا میں مختار الحق، آفتاب حسن شمس، آفتاب عالم، محفوظ عالم، عبدالحق، ارشد رضا اور سرفراز احمد خاں ایڈوکیٹ کے علاوہ کئی قابلِ قدر شخصیات شامل ہیں۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

حکومتِ راجستھان کا پولیس محکمے میں مستعمل اُردو اصطلاحات کو ہٹانے کا فیصلہ

جے پور (17 دسمبر)۔ راجستھان کی بی جے پی حکومت نے ریاست میں پولیس محکمے میں زیرِ استعمال اردو اصطلاحات کو 'شدھ ہندی' اصطلاحات سے بدلنے کا عمل شروع کردیا ہے۔ یہ کارروائی 'ہندی کے فروغ' کے جواز کے ساتھ انجام دی جارہی ہے۔ ریاستی حکومت نے پولیس محکمے کو ہدایت دی ہے کہ وہ بات چیت اور کاغذی کارروائی میں استعمال ہونے والی اردو اصطلاحات کی شناخت کریں اور ان کا ہندی متبادل بتائیں۔ یہ کارروائی وزیرِ مملکت برائے وزارتِ داخلہ جواہر سنگھ بیدھم کے ایک مکتوب کے بعد شروع ہوئی ہے۔ انھوں نے یہ مکتوب ڈائرکٹر جنرل آف پولیس (ڈی جی پی) یو۔آر۔ ساہو کو اسی سال کے اوائل میں روانہ کیا تھا۔ پولیس محکمے میں اردو کے استعمال کا تاریخی حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ''اردو، فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال مغلیہ دور سے ہو رہا ہے، اس کے بعد بھی اردو زبان بولی اور پڑھائی جاتی رہی ہے مگر آزادی کے بعد تعلیمی پالیسی میں بہتری اور تبدیلی ہوئی''۔ ان کے مطابق ''اس وقت ہندی کا زیادہ استعمال ہوتا ہے اور سنسکرت تیسری زبان کے طور پر پڑھی جاتی ہے، اس لیے نئے بھرتی ہونے والے اہلکار اردو سے بہت زیادہ واقف نہیں ہیں''۔ وزیر کی ہدایت پر ڈی جی پی نے 22 نومبر کو محکمہ جاتی ہدایت جاری کی ہے جس میں زیرِ استعمال اردو الفاظ اور ان کے متبادل ہندی الفاظ کی فہرست تیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کے تربیتی پروگرام سے بھی اردو الفاظ کو ہٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک سینئر افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر 'دی وائر' کو بتایا ہے کہ ''مقدمہ، چالان، ملزم، مجرم اور گواہ جیسے الفاظ اردو کے ہیں۔ ہمیں ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تفصیل حاصل کر کے ہیڈکوارٹر روانہ کریں''۔ کانگریس نے اس کی مذمت کرتے ہوئے اسے بی جے پی حکومت کی سیاسی شعبدہ بازی سے تعبیر کیا ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقرری کرنے پر زور

رکن قانون ساز کونسل جناب عامر علی خاں کی صدر نشیں کونسل سیکھندر ریڈی سے نمائندگی

حیدرآباد (18 دسمبر)۔ اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کے معاملے میں جناب عامر علی خاں (رکن قانون ساز کونسل) نے آج تلنگانہ قانون ساز کونسل میں مسئلہ اٹھاتے ہوئے اس سلسلے میں ایک یادداشت صدر نشیں تلنگانہ قانون ساز کونسل مسٹر جی سکھیند ر ریڈی کے توسط سے حکومت کو روانہ کرتے ہوئے بتایا کہ 2012 اور 2017 میں ڈی ایس سی امتحانات منعقد کیے گئے تھے اور ماضی قریب میں 2024 میں ایک اور ڈی ایس سی امتحان منعقد کیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود اردو اساتذہ کی 1183 اسامیاں خالی تھیں جن میں سے 469 اسامیوں پر تقررات عمل میں لائے جاچکے ہیں جب کہ 714 اسامیاں خالی ہیں۔ جناب عامر علی خاں نے ان اسامیوں پر تقرری نہ کیے جانے کے معاملے میں ایوان میں صدر نشیں کو پیش کی گئی یادداشت میں کہا کہ 663 اسامیاں محفوظ زمرے میں شامل ہیں، ان اسامیوں کو غیر محفوظ زمرے میں لاتے ہوئے ان پر تقرری کے اقدام کی خواہش کی۔ انھوں نے تحریری یادداشت کی صدر نشیں کو حوالگی کے ساتھ کہا کہ تلنگانہ کے مختلف اضلاع سے انھیں اس سلسلے میں مسلسل یادداشتیں موصول ہورہی ہیں۔ ان یادداشتوں پر موثر کارروائی کے لیے وہ صدر نشیں قانون ساز کونسل کے توسط سے حکومت کو روانہ کررہے ہیں۔ انھوں نے ایوان میں پیش کی گئی یادداشت کے سلسلے میں بتایا کہ جملہ 1179 اسامیوں میں محض 516 اسامیاں مسلمانوں کے لیے دستیاب ہیں جب کہ بقیہ 663 اسامیاں ایس سی، ایس ٹی، بی سی ڈی وغیرہ کے لیے محفوظ ہیں اور ان طبقات میں اردو سے واقف نوجوان نہ ہونے کے نتیجے میں یہ اسامیاں طویل مدت سے خالی ہیں۔ ان اسامیوں پر تقرری کے لیے ریاستی حکومت کی جانب سے متحدہ آندھرا پردیش میں ملازمتوں کی فراہمی کے قوانین کا جائزہ لینے کے بعد اقدام کیے گئے تھے، اگر اسی طرح سے دوبارہ اقدام کرتے ہوئے ریاستی حکومت کارروائی کرتی ہے تو ان اسامیوں پر تقرری ممکن ہو پائے گی جس کا راست فائدہ اردو داں طبقے کو حاصل ہوگا اور اردو زبان کی ترقی و ترویج میں یہ اہم پیش رفت ہے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اردو کے حقوق کی لڑائی کے لیے سڑکوں پر اُترنا ناگزیر: اسلم جاوداں

اردو کونسل ہند کا گردنی باغ میں دھرنا، ادبا اور شعرا کے علاوہ سیاسی لیڈران کی شرکت

پٹنہ (14 دسمبر)۔ ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کے حقوق کے تحفظ کے لیے اردو کونسل ہند کے زیرِ اہتمام گردنی باغ میں یک روزہ دھرنا کا اہتمام کیا گیا، جس میں اردو کے اُدبا اور شعرا کے علاوہ اردو اسپیشل ٹی ای ٹی کے امیدوار اور سیاسی رہنما بھی شریک ہوئے۔ اردو کونسل ہند کے ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے کہا کہ اردو کے حقوق کی لڑائی اب سڑکوں پر اتر کر لڑنے کی ضرورت ہے۔ جس زبان نے جنگِ آزادی میں اہم کردار نبھایا، آج وہ اپنی بقا کی لڑائی لڑ رہی ہے۔ نتیش حکومت سے ہمارے اٹھارہ اہم مطالبات ہیں، اس کے لیے اردو کی متعدد تنظیمیں مل کر اپنا لائحۂ عمل تیار کریں گی اور ایک پلیٹ فارم پر آکر ہم اپنی یہ لڑائی جاری رکھیں گے۔ انھوں نے کہا کہ گذشتہ کئی برسوں سے اردو کی ترقی کے سبھی کام بند ہیں۔ اردو اور اردو آبادی سے متعلق زیادہ تر اداروں کی کمیٹی کی تشکیل نہیں ہوئی ہے جس سے اردو کی ترقی کی راہیں بند ہوگئی ہیں۔ حکومت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ اردو کے مسائل کے حل کے لیے جلد اور مناسب اقدام کرے ورنہ اردو کونسل ہند سرکاری سطح پر اردو کے حقوق کی بازیابی کے لیے ریاست کے سبھی اضلاع میں پُرزور تحریک چلائے گی۔

اردو کے معروف فکشن نگار مشتاق احمد نوری نے کہا کہ جس طرح اردو اداروں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت اردو کو دھیرے دھیرے زہر دے کر مار رہی ہے۔ حکومت اردو مترجم کے کچھ عہدے پر تقرری کر کے یہ سمجھ رہی ہے کہ اس نے اردو کے حقوق کے لیے کچھ کام کیا ہے جب کہ ہائی اسکولوں سے اردو کو باہر کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کالجوں سے بھی اردو دھیرے دھیرے ختم ہوتی جارہی ہے، اس لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک کمیٹی تشکیل دے کر حکومت کے نمائندگان سے ملاقات کی جائے اور اردو کے مسائل کے حل کی راہ تلاش کی جائے۔ آر جے ڈی لیڈر رسیّد تنویر حسن نے کہا کہ میں اردو کونسل ہند کی اس پیش قدمی کو سلام کرتا ہوں کہ اردو کے حقوق کے لیے تنظیمیں ایک عرصۂ دراز کے بعد سڑکوں پر احتجاج کے لیے اتری ہیں۔ بہار اردو اکیڈمی، اردو مشاورتی کمیٹی، بہار اقلیتی کمیشن اور مدرسہ بورڈ جیسے اداروں کی کمیٹیوں کی تشکیل نہیں ہورہی ہے۔ اس کے علاوہ اردو کی لازمیت اسکولوں سے ختم کردی گئی ہے۔ یہ سب کچھ سرکاری سطح پر کھلے عام ہورہا ہے۔ اس کے لیے اردو تنظیموں کی جانب سے سڑکوں پر اترنے کی کوشش کی ستائش کی جانی چاہیے اور اس کے لیے محبانِ اردو کو بھی اس لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہوگا۔

ایم آئی ایم کے ریاستی صدر اختر الایمان نے اردو کی زبوں حالی کے لیے حکومت اور اردو آبادی دونوں کو ذمے دار بتایا۔ انھوں نے کہا کہ اب اردو کی ترقی کی بات چھوڑ کر اردو کی بقا اور اس کے تحفظ کی بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت اردو ترقی نہیں بلکہ تنزلی کا شکار ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان صرف ایک زبان ہی نہیں بلکہ ہماری ثقافت بھی ہے۔ کوئی بھی زبان اپنی تہذیب و تمدن کی امین ہوتی ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

ذکی بلگرامی کے مجموعۂ کلام 'خوش بوے نواے ذکی بلگرامی' کی رسمِ رونمائی

حیدرآباد (پریس ریلیز)۔ کوآرڈی نیٹر پروفیسر عرشیہ جبیں کے زیرِ اہتمام 'ماحولیاتی تنقید اور اردو ادب' کے موضوع پر سہ روزہ سمینار اور کل ہند مشاعرے کے موقعے پر حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی میں 14 نومبر 2024 کی شام حیدرآباد کے معتبر شاعر ذکی بلگرامی کے مجموعۂ کلام 'خوش بوے نواے ذکی بلگرامی' کی رسمِ رونمائی پروفیسر عباس رضا نیر کے دستِ مبارک سے انجام پائی۔

ذکی بلگرامی کا یہ مجموعۂ کلام ڈاکٹر رؤف خیر نے مرتّب کر کے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے اپنے طور پر شائع کروایا ہے تاکہ 2005 میں انتقال کر جانے والے ذکی بلگرامی کا یہ سرمایہ متشاعروں کے ہتھے چڑھ جانے سے اور ضائع ہونے سے بچ جائے۔

رسمِ رونمائی کے موقع پر اردو ادب کی نامور شخصیات پروفیسر محمود کاظمی، پروفیسر عباس رضا نیر، پروفیسر فضل اللہ مکرم، مرتبِ کلام ڈاکٹر رؤف خیر، پروفیسر زماں خاں آزردہ، پروفیسر رحمت یوسف زئی اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے رونق بخشی۔

'ہماری زبان' کے بارے میں

مکرمی! ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے کئی شمارے باصرہ نواز ہوئے، بہت بہت شکریہ۔ حسبِ معمول 'صحت زبان' کے تحت تحریر کیے گئے مضامین انتہائی کارآمد اور معلوماتی ہیں۔ میں تو نوٹس لینے لگا ہوں۔ رؤف پاریکھ صاحب کا ممنون ہوں اور آپ کا بھی کہ اس طرح کے اہم مضامین تسلسل شائع کر کے ہم جیسوں کی رہنمائی فرمارہے ہیں۔ جیسے ہی یہ شمارے ملے، میں نے سب کام کاج چھوڑ کر ان شماروں کو پڑھا اور خوش ہوا۔ ہر تحریر اپنی جگہ اہم ہے۔ مجھے بطورِ خاص پسند آنے والے مضامین درج ذیل ہیں:

(1)	احمد ندیم قاسمی	اسد فیض
(2)	ڈاکٹر صفدر	شاہد رشید
(3)	مسلم سلیم	عارف عزیز
(4)	پروفیسر ظفر احمد صدیقی	شعیب نظام
(5)	اردو سفرناموں کا...	مرضیہ عارف
(6)	عثمان غنی	شعیب نظام
(7)	فراق گورکھپوری	سراج زیبائی
(8)	برِصغیر کے ممتاز شاعر قتیل شفائی	سراج زیبائی
(9)	ترقی پسند مصنّفین اور بھوپال	مرضیہ عارف
(10)	سلیمان خمار	ندیم صدیقی
(11)	محمود سروش	ندیم صدیقی
(12)	ڈاکٹر اخلاق اثر	عارف عزیز
(13)	منٹو کے افسانے	مرضیہ عارف

کتابوں پر تبصرے بھی بھرپور ہیں، مثلاً:

(1) 'عارف عزیز مشاہیر و معاصرین کی نظر میں'، نعمت اللہ خان ندوی

(2) 'معیار و میزان'، ڈاکٹر ابراہیم افسر

(3) 'احمد فراز کی شاعری'، ڈاکٹر ابراہیم افسر

جناب عارف عزیز کی تحریروں کو دیکھ کر رشک آتا ہے کہ اتنے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود کچھ بھی لکھ رہے ہیں، خوب لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و تندرستی کے ساتھ درازیِ عمر عطا کرے، آمین! موصوف خود نوشت بھی لکھ رہے ہیں۔

آخر میں نئے سال کی مبارک باد قبول فرمائیں۔

ڈاکٹر شیخ رحمان اکولوی
دیپک چوک، اکولہ-6 مہاراشٹر

اردو اکیڈمی دہلی میں برسوں سے خالی مستقل اسامیوں کو پُر کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی (21 دسمبر)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے وزیر اعلا دہلی آتشی سنگھ کو خط لکھ کر اردو اکیڈمی دہلی میں برسوں سے خالی مستقل اسامیوں کو بھرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ صوبۂ دہلی میں اردو زبان و ادب کو فروغ دینا، اردو زبان کا تحفظ اور ترویج و اشاعت کے لیے کام کرنا اردو اکیڈمی دہلی کا بنیادی مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے اردو اکیڈمی کو حکومت کی جانب سے مکمل تعاون ناگزیر ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکیڈمی کی حالیہ تشکیل نیک فال ہے مگر بغیر اسٹاف کے نہ صرف اردو اکیڈمی اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوگی بلکہ دھیرے دھیرے تالا بندی بھی ہوسکتی ہے، اس لیے ہماری حکومت دہلی سے پُرزور اپیل ہے کہ دہلی اردو اکیڈمی میں جلد از جلد مستقل عملے کا تقرر کیا جائے۔

(انقلاب۔ دہلی)

تلنگانہ اردو فورم اور مظہر ایجوکیشن سوسائٹی کے زیرِ اہتمام منعقدہ کانفرنس میں اردو کے مسائل کے حل پر زور

حیدرآباد (11 دسمبر)۔ تلنگانہ اردو فورم اور مظہر ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ کانفرنس میں اردو کے حل طلب مسائل پر گفتگو کی گئی جس میں اردو میڈیم اساتذہ کی تقرری، اردو میڈیم طلبہ کو دوسری جماعت سے پی جی تک اسکالرشپ کی اجرائی، اردو میڈیم طلبہ کے تقرر میں جو پیچیدگیاں ہو رہی ہیں اس کو حکومت کی جانب سے فی الفور دور کرنا، نیز تمام تاجروں سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنی دکانوں کے بورڈ زار دو زبان میں بھی آویزاں کریں۔ جناب محمد اسماعیل الرب انصاری (صدر نشین فورم) نے کانفرنس کی صدارت کی جب کہ عبیداللہ کوتوال (چیئرمین اقلیتی فائنانس کارپوریشن) نے کہا کہ اردو سارے ہندستان میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے، اس کا تحفظ ہر ایک کی ذمے داری ہے۔ اس کانفرنس میں محترمہ سدھا جبین، محترمہ رشیاء، ہاجرہ انصاری (کنوینر اردو کانفرنس)، محمد شکیل، محمد غلام دستگیر، سیّد مجتبیٰ عابدی، سیّد مزمل اور سیّد وقار الدین وغیرہ نے شرکت کی۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

بلراج بخشی

جموں۔ جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے اردو کے نامور ادیب اور شاعر بلراج بخشی صاحب 29 نومبر 2024 کو جموں میں انتقال کر گئے۔ وہ 10 دسمبر 1949 کو جموں کشمیر کے رفیوجی کیمپ میں پیدا ہوئے تھے۔ دراصل ان کے والد کرپا رام بخشی پونچھ (موجودہ پاکستان) کے باشندہ تھے۔ ہجرت کا کرب انھیں بھی جھیلنا پڑا اور حالات کے پیشِ نظر انھیں جموں رفیوجی کیمپ میں پانچ چھے برسوں تک قیام کرنا پڑا۔ کچھ عرصے بعد ان کا خاندان ادھم پور آبسا اور جموں کشمیر کے ضلع ادھم پور میں یہ لوگ مستقل طور پر مقیم ہوگئے۔ انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا افسانوی مجموعہ 'ایک بوند زندگی' 2014 میں شائع ہوا جس کی علمی و ادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ انھوں نے اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی لغت افعال و اسما کے تعلق سے بعنوان 'آسانیات' تیار کی ہے جو 2020 میں شائع ہوئی۔ 'آسانیات' میں انھوں نے ترجمے کی مضحکہ خیزیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ 'ایک بوند زندگی' جب منظرِ عام پر آیا تو اسے بے حد ذوق و شوق سے پڑھا گیا اور اس کی کئی دھومیں تھیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں اچھوتے اور منفرد موضوعات کو بہت مہارت اور منجھے ہوئے فنکار کی طرح پیش کیا ہے۔ وہ عام آدمی کے المیے کو اس طور پر بیان کرتے ہیں کہ ذہن و دل کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔

بلراج بخشی ایک غزل گو کی حیثیت سے بھی اپنی خاص شناخت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی جس کرب کو جھیلا ہے اس کا درد ان کے اشعار میں عیاں ہے۔ کشمیر کی خوش نما وادیوں میں جہاں محبتوں کے نغمے لکھے جاتے رہے ہیں، اس کی موجودہ تصویر انھیں بے چین کرتی ہے۔ ان محسوسات کو نہ صرف وہ شعری قالب میں ڈھالتے ہیں بلکہ وہ تمام پیکر و احساسیت خود بخود ان کے قلم سے ڈھل جاتے ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

لوک ادب بھائی چارہ، قومی یکجہتی اور اخوت کا ضامن

'اردو میں لوک ادب' کے زیرِ عنوان ساہتیہ اکیڈمی دہلی اور انجمن ترقی اردو گلبرگہ کے زیرِ اہتمام یک روزہ کامیاب سمپوزیم

گلبرگہ (17 دسمبر)۔ اردو کا لوک ادب عوامی ادب کا عظیم سرمایہ ہے، جسے ہم نے فراموش کر دیا ہے۔ اس خیال کا اظہار ممتاز ادیب، شاعر اور صحافی جناب چندر بھان خیال (کنوینر اردو ایڈوائزری بورڈ ساہتیہ اکیڈمی دہلی) نے کیا۔ وہ ساہتیہ اکیڈمی دہلی اور انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ کے زیرِ اہتمام حضرت خواجہ بندہ نوازؒ ایوانِ اردو انجمن ترقی اردو گلبرگہ میں 'اردو میں لوک ادب' کے زیرِ عنوان منعقدہ یک روزہ سمپوزیم میں صدارتی تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے لوک ادب کو 600 سالہ قدیم بتاتے ہوئے کہا کہ یہ بحث آج بھی جاری ہے کہ اردو کا لوک ادب پہلے ہے یا ہندی کا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ لوک ادب اردو کی میراث ہے اور یہ ادب اُس دور میں تخلیق پایا جب ہندی کا وجود بھی نہیں تھا۔ چندر بھان خیال نے مزید کہا کہ پیدائش، شادی اور زندگی کے تمام مراحل پر اردو کے لوک ادب میں گیت پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے عصرِ حاضر میں اردو کے لوک ادب کو زندہ اور اسے عام کرنے پر زور دیا۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے سمپوزیم میں کلیدی خطبہ دیتے ہوئے اردو لوک ادب کی تاریخ، اس کی اہمیت اور معنویت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اردو لوک ادب کو دکن کی دین بتایا۔ انھوں نے کہا کہ زبان کی تاریخ جتنی قدیم ہے اردو ادب کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے۔ انھوں نے کہا کہ لوک ادب اس دور میں تخلیق کیا گیا جب ہندی اور اردو کا وجود ہی نہیں تھا پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ صوفیائے کرام نے ناصحانہ کلام سے اردو ادب کو مالا مال کر دیا لوک ادب کا ایک بڑا حصہ صوفیانہ نظریات پر مشتمل ہے صوفیائے کرام عموماً عوامی اور اصلاحی شاعر ہوا کرتے تھے۔ صوفیانے لوک ادب میں اصلاح کے ساتھ ساتھ تصوف کے نکات کو بھی شامل کیا۔ انھوں نے کہا کہ چوں کہ خواتین کے احساسات و جذبات خالص ہوا کرتے ہیں، اسی لیے لوک ادب کے گیتوں میں خواتین کے کردار بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ماجد داغی (سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ و پروگرام کوآرڈی نیٹر) نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے گلبرگہ شہر کی علمی، ادبی، تہذیبی، تاریخی اور روحانی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے گلبرگہ شہر کو اردو ادب کا اولین شعری و نثری آثار کا ملجا و ماویٰ قرار دیتے ہوئے کہا کہ ساہتیہ اکیڈمی دہلی اور انجمن ترقی اردو گلبرگہ کا ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

بچکنڈہ اقلیتی اقامتی کالج میں لکچررس کی کمی سے طلبہ کا تعلیمی نقصان

بچکنڈہ (23 دسمبر)۔ بچکنڈہ اقلیتی اقامتی کالج میں تین ماہ سے پی جی ٹی فزکس لکچرر کی عدم تقرری سے طلبہ کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس سلسلے میں طلبہ کے سرپرستوں نے اقامتی اسکول کے پرنسپل پر عدم توجہی اور لاپروائی کا الزام عائد کیا اور بتایا کہ اس طرح انٹرمیڈیٹ طلبہ کو امتحان تحریر کرنے میں دشواریوں کا خدشہ ہے۔ پرنسپل کی اس طرف کوئی توجہ نہ ہونے سے سرپرستوں میں سخت برہمی دیکھی جارہی ہے۔ طلبہ کے سرپرستوں نے کالج میں پی جی ٹی فزکس لکچرر کے نہ ہونے اور طلبہ کو ہونے والی دشواریوں کے بارے میں نمائندہ 'سیاست' کو واقف کروایا اور بتایا کہ تلنگانہ حکومت اسکولوں اور کالجوں کے لیے کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے، مگر اس کے باوجود اسکولوں اور کالجوں میں پی جی ٹی کی عدم تقرری لمحۂ فکریہ ہے۔ حکومت سے طلبہ اور ان کے سرپرستوں کا پُرزور مطالبہ ہے کہ جلد از جلد بچکنڈہ اقلیتی اقامتی کالج میں پی جی ٹی فزکس لکچرر کا تقرر کرتے ہوئے طلبہ کو ہونے والی دشواریوں کا خاتمہ کیا جائے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **بیانِ شبلی**(5)

مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ضخامت : 215 صفحات

قیمت : 350 روپے

ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002

تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ تبصرہ کتاب 'بیانِ شبلی' جلد (5) شبلی شناسی کے باب میں مستند حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کی تحریریں اور ان سے متعلق تحریروں کو جمع کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں علامہ شبلی کی مختلف ادبی، سماجی، سیاسی، صحافتی و ادبی جہتوں کو شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی کے ادبی و فلاحی کارناموں پر مختلف کتابوں میں گفتگو کی گئی ہے لیکن شبلی کے خادمِ کعبہ ہونے اور مدینہ یونی ورسٹی کی تجاویز پیش کرنے، ملک و بیرونِ ملک کے کالجوں و دانش گاہوں کا عربی و فارسی نصاب تیار کرنے میں علامہ شبلی نعمانی کے کلیدی کردار پر تفصیلی بحث الیاس صاحب نے زیرِ نظر کتاب میں کی ہے۔ ان تمام موضوعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شبلی کی شخصیت کو سمجھنے میں مطالعۂ 'بیانِ شبلی (5)' کتنی معاون و مددگار ہے۔ اس کتاب سے قبل موصوف 'بیانِ شبلی' کی چار جلدوں کو قارئین کی نذر کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کو الیاس صاحب نے 14 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے اپنے پیش لفظ میں اس بات کی وضاحت کی کہ اس حصے میں مختلف نوعیتوں کے چودہ علمی و تحقیقی مقالات شامل ہیں۔ سرِ مقالہ بیانِ شبلی میں شبلیات سے متعلق بعض نادر معلومات اور چند جدید و قدیم علمی مطالعات و تحقیقات کی تفصیلات یکجا کی گئی ہیں۔ کتاب کا انتساب ڈاکٹر اطہر فاروقی کے نام ہے جب کہ پشت پر شمس الرحمٰن فاروقی کی آرا درج ہے۔

بیانِ شبلی کے پہلے باب 'بیانِ شبلی' میں چھے ذیلی عناوین سیرۃ الفاروق یعنی خلاصہ الفاروق، خلاصہ بے نظیر از موازنۂ انیس و دبیر، تلخیص سیرت النبی، خلاصہ حیاتِ شبلی، تدوینات مکاتیبِ شبلی: تقابلی جائزہ، مولانا شبلی نعمانی: شخصیت اور ادبی خدمات کے عنوان سے قائم کیے گئے ہیں۔ اس باب میں الیاس صاحب نے ملک و بیرونِ ملک شبلی کے حوالے سے لکھے گئے دو تحقیقی مقالوں تدوینات مکاتیبِ شبلی: تقابلی جائزہ، مولانا شبلی نعمانی شخصیت اور ادبی خدمات کا عمومی جائزہ پیش کیا ہے۔ اول الذکر مقالہ (برائے ایم فل) نمرہ احمد نے شعبۂ اُردو یونی ورسٹی آف سرگودھا (پاکستان) میں ڈاکٹر خالد ندیم کے زیرِ نگرانی تحریر کیا ہے اور آخر الذکر مقالے پر ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کو شعبۂ اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔

بابِ دوم 'نوادراتِ شبلی' میں نوادراتِ شبلی، ایک نادر مکتوب، ایک نادر غزل، ایک مقطع تعلیم، سفرنامہ روم و مصر و شام عنوان سے ذیلی باب قائم کیے گئے ہیں۔ بقولِ ڈاکٹر الیاس صاحب حلقۂ قدر دانانِ شبلی میں یہ بات تعجب سے سنی جائے گی کہ ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود نوادراتِ شبلی کی دریافت و بازیافت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس باب میں علامہ شبلی کا ایک نادر مکتوب شامل ہے جس میں وہ دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری کرانا چاہتے تھے تاکہ ان کی بنیادی تعلیم اور احکامِ اسلامی سے ان کی واقفیت کے انتظام و انصرام کے متعلق غور و خوض کیا جا سکے۔ علامہ شبلی کا یہ خط علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں 24 جنوری 1912 کو شائع ہوا۔ الیاس صاحب نے علامہ شبلی کی ایک فارسی غزل، جو مولانا ظفر علی خاں کے ماہ نامہ 'پنجاب ریویؤ' میں جون 1911، ص 64 پر شائع ہوئی کو بھی شاملِ کتاب کیا۔ الیاس صاحب نے اپنی محنتِ شاقہ اور تلاش و جستجو سے علامہ شبلی کا ایک فارسی مقطع جو 'الندوہ' ستمبر 1911 میں ص 4 پر شائع ہوا، کو بھی کتاب میں شامل کیا۔

کتاب کا تیسرا باب 'علامہ شبلی کی نصابی کتابیں' اہمیت کا حامل ہے۔ اس باب میں تاریخ بدء الاسلام، چند مباحث، نصاب فارسی، انٹرنس، کورس فارسی، انٹرمیڈیٹ کورس فارسی، بی اے کورس فارسی کو شامل کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نے علی گڑھ میں درس و تدریس کے دوران اس بات کو محسوس کیا کہ مدارس، کالجوں و دانش گاہوں میں جدید اصولوں کے تحت اگر نصاب لکھا جائے یا لکھوایا جائے تو طلبہ کو تعلیم کے مقصد کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، اس لیے تعلیمی امور پر دسترس و دل چسپی کے سبب علامہ شبلی کو ریاست بھوپال کے مدارس، دارالعلوم حیدرآباد اور ندوۃ العلما وغیرہ کے تعلیمی نصاب کو مرتب کرنے کی ذمے داری سپرد کی گئی۔ علاوہ ازیں علامہ شبلی نے ذاتی دل چسپی کے طور پر نصابی کتابیں بھی تیار کیں۔ ان کے نوکِ قلم سے پہلی نصابی کتاب 'بدء الاسلام' وجود میں آئی۔ یہ درسی کتاب سرسید احمد خاں کی ایما پر ایم اے او کالج علی گڑھ کے طلبہ کے لیے علامہ شبلی نے مرتب کی جو 1891 میں مطبع مفیدِ عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ بقولِ مولانا سید سلیمان ندوی ''طلبہ میں ذات پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ساتھ حسنِ عقیدت اور واقفیت پیدا کرنے کے لیے عربی میں سیرت کا ایک مختصر رسالہ بدء الاسلام لکھا اور وہ کالج کے نصابِ تعلیم میں داخل ہوا۔ سرسید نے اسے عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جس کا ترجمہ علامہ شبلی کے ماموزاد بھائی مولانا حمید الدین فراہی نے کیا۔ اس کا اُردو ترجمہ 'آغازِ اسلام' نام سے سلطان جہاں بیگم (بھوپال) کی خواہش پر میمونہ سلطان بانو نے 1915 میں کیا۔ بعد میں 'بدء الاسلام' کے کئی اڈیشن 'سیرت طیبہ' اور 'حیات النبی' عنوان سے لاہور اور کراچی سے شائع ہوئے۔ جب 1895 میں علامہ شبلی الٰہ آباد یونی ورسٹی کی فیکلٹی آف آرٹس (شعبۂ فنون) اور بورڈ آف اسٹڈیز (شعبۂ تدریس) کے ممبر اور فیلو نامزد ہوئے تو انھوں نے نصابِ تعلیم سے متعلق ایک مطول یادداشت تیار کی جسے یونی ورسٹی نے فارسی زبان و ادب کے لیے انٹرنس، انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے نصاب میں شامل کیا۔''

کتاب کا چوتھا باب 'شبلی: خودنوشتوں میں' عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ موصوف کی اس عنوان سے باضابطہ کتاب منظرِ عام پر آ چکی ہے جس میں انھوں نے ذکرِ علامہ شبلی کے متعلق لکھی گئی 25 خودنوشتوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ لیکن دورانِ تحقیق الیاس صاحب کو کچھ ایسی خودنوشتیں ملیں جن میں علامہ شبلی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جو ان کی نظروں سے اب تک اوجھل تھیں۔ اسی سلسلے میں الیاس صاحب نے مولوی عبدالحافظ باعلظہ کی علی گڑھ کی یادداشتوں، بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی تحریروں میں، مولانا سید سلیمان ندوی کی مختلف یادداشتوں میں، مولانا سید نجم الہدیٰ ندوی، حکیم محمد اسحاق اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی تحریروں میں ذکرِ شبلی کو عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

کتاب کا پانچواں باب 'علامہ شبلی کے نام معنون کتابیں' عنوان سے ہے۔ اس باب میں الیاس صاحب نے علامہ شبلی کے نام معنون کی گئی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں البرامکہ (مولوی محمد عبدالرزاق کان پوری)، تذکار سلف (پروفیسر ضیاء احمد بدایونی)، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ڈاکٹر زبیر احمد)، شبلی شناسی کے سو سال (ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی)، دارالتصنیف و دارالترجمہ بھوپال (مولانا حبیب ریحان خاں ندوی)، قابلِ ذکر ہیں۔ کتاب کے چھٹے باب 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علامہ شبلی کی ادارت میں' میں علامہ شبلی کی ادارتی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ سرسیّد نے پہلے اس میگزین کو انگریزی میں شائع کیا تھا لیکن وقتِ ضرورت 1894 میں اس میگزین کے ایک حصے کو اُردو میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پہلے مدیر علامہ شبلی مقرر کیے گئے۔ اپریل 1895 میں اس میگزین کا پہلا شمارہ علامہ شبلی کے مضمون 'جامع ازہر' کے ساتھ شائع ہوا۔ علامہ شبلی نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین کی شان و افتخار میں اضافے کے لیے ہم عصر اُردو کے مشہور و معروف ادیبوں بالخصوص مولانا الطاف حسین حالی، مولوی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ اور نواب محسن الملک وغیرہ سے مضامین لکھوائے۔ رسالہ 'تہذیب الاخلاق' کے بعد اس رسالے نے علی گڑھ تحریک کے لیے زمین ہموار کرنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔

کتاب کے ساتویں باب 'علامہ شبلی اور دکن ریویو' میں علامہ شبلی کی علمی و ادبی خدمات کا تنقیدی محاکمہ کیا گیا ہے۔ الیاس صاحب نے اس باب میں لکھا کہ مولانا ظفر علی خاں علامہ شبلی کے محبوب شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کے اصرار پر علامہ شبلی نے 'دکن ریویؤ' میں مضامین تحریر کیے۔ کتاب کے آٹھویں باب 'علامہ شبلی اور پنجاب ریویؤ' میں علامہ شبلی کی گراں بہا علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نے مولانا ظفر علی خاں کی ملی خدمات کا احترام کرتے ہوئے اس رسالے کو اپنا قلمی تعاون پیش کیا۔ الیاس صاحب نے کتاب کے نویں باب 'علامہ شبلی کا روزنامچہ' میں یہ انکشاف کیا کہ علامہ شبلی کو روزنامچہ لکھنے کی مشق بالکل نہیں تھی لیکن 1909 میں ندوۃ العلما کی تعمیر و ترقی میں ہمہ تن مصروف رہنے کے سبب روزنامچہ لکھنا شروع کیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ علامہ شبلی کا یہ روزنامچہ 20 مئی 1909 سے اکتوبر 1913 کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ بھلے ہی اس روزنامچے میں تسلسل نہ سہی لیکن معلومات کا بیش بہا خزانہ موجود ہے۔ دسویں باب 'علامہ شبلی اور حرمین' میں الیاس صاحب نے علامہ شبلی کی مذہبی و ملی خدمات کا مکمل احاطہ کیا ہے۔ علامہ شبلی نے محض 19 برس کی عمر میں حج کا سفر کیا۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں 'شبلی سخنوروں کی نظر میں' ایک اہم باب ہے۔ اس میں ڈاکٹر یونس غازی، یورش اعظمی، قاضی عبدالرحمٰن حیرت کی منظوم خراجِ عقیدت کو شامل کیا گیا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شبلی پروجیکٹ اور ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی شبلی شناسی کو زیرِ نظر کتاب کا ماحصل قرار دیا جا سکتا ہے۔

بہر کیف! الیاس صاحب نے زیرِ تبصرہ کتاب میں علامہ شبلی کی مختلف جہتوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ امید قوی ہے کہ آئندہ جلدوں میں علامہ شبلی کی نادر و نایاب تحریروں کے علاوہ اُن کے متعلق اہلِ قلم کے ذریعے لکھی گئی تحریروں سے ہم مستفید ہوں گے۔

◆◆◆

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 350 روپے

بقیہ: مباحثِ میرؔ کے باب میں ایک نئی علمی اور اہم کوشش

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

اس وقت اگر اردو میں مفقود نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اس شمارے میں دی گئی یہ خبر بھی جاں فزا ہے کہ ڈاکٹر صدف فاطمہ صاحبہ نے ان لطائف کا انگریزی ترجمہ بھی مکمل کرلیا ہے، جو جلد ہی انجمن سے شائع ہوگا۔ چودھری محمد نعیم (سی ایم نعیم) کے انگریزی ترجمے (Remembrances, Harvard University Press, 2019) کی موجودگی میں ڈاکٹر صدف فاطمہ صاحبہ نے نیا ترجمہ بلا وجہ تو نہیں ہی کیا ہوگا، یہ تو طے ہے اور ان کے انگریزی ترجمے کی جلد از جلد اشاعت کے ساتھ یہ عقدہ بھی کھلے گا کہ اس حصے کا ازسرِ نو انگریزی ترجمہ کی ضرورت آخر انھیں کیوں محسوس ہوئی۔ جو بھی ہو ہمیں 'ذکرِ میر' کے اس اہم حصے کا ایک نیا انگریزی ترجمہ بھی پڑھنے کو ملے گا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) نے 2024 کا پورا سال میر کی عظمت کو عام کرنے کے لیے وقف کردیا۔ اس پروگرام کے تحت انجمن نے ایک چہار روزہ سمینار بھی 15 سے 18 فروری کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر، نئی دہلی کے اشتراک سے کیا جس میں دہلی کی تاریخ و ثقافت، اور میر کے وہ اسکالر شریک ہوئے جن میں اردو کا ایک بھی اسکالر شاید اسی لیے نہیں تھا کہ اردو والوں کے پاس اب میر سے متعلق کہنے کو کوئی نئی بات نہیں رہ گئی ہے جس کی وجہ میر سے متعلق اور تحریروں کی یکسانیت کی تکرار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بھی نہایت انقلابی اور سوچ سمجھ کر کیا گیا فیصلہ تھا۔ امید کی جانی چاہیے کہ اس سمینار کے ساٹھ (60) مقالات بھی انجمن جلد ہی شائع کرے گی۔ انجمن نے میر پر پہلا بڑا جلسہ 22 جنوری 2024 کو کیا اور 2024 کا سال ختم ہونے سے پہلے میر پر خصوصی شمارہ منظّم علمی اور انتظامی فکر کا نتیجہ ہے۔ اس شمارے میں یہ مژدہ بھی سنایا گیا ہے کہ انجمن نے دیوانِ میر اور ذکرِ میر کے تمام مخطوطات جمع کرلیے ہیں، جو کم اہم بات نہیں۔

اردو کی موجودہ ادبی دنیا میں مصلحت پسندی تحریروں کی جان ہی نکال لیتی ہے اور ادبی پرچے اسی لیے بے روح ہوجاتے ہیں۔ اس شمارے میں دہلی یونی ورسٹی کی پروفیسر ارجمند آرا سے ان کے ہی ایک شاگرد دوپن گرگ نے دیوانِ میر کا ہندی قالب ارجمند آرا صاحبہ سے تیار کرا کر اپنے نام سے 'چلوٹک میر کو سننے' کے عنوان سے راج کمل پرکاشن سے شائع کرالیا اور اس سرقے بلکہ سامنے کی چوری پر اس خصوصی شمارے میں مضمون کی اشاعت کے ساتھ پروفیسر معین الدین عقیل کے میر کے متنازع ساتویں دیوان پر مضمون کی اشاعت بھی اطہر فاروقی صاحب کی غیر معمولی اخلاقی جرأت اور صحافتی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ صدیق الرحمان قدوائی صاحب نے اپنے اداریے میں اطہر فاروقی صاحب کی انجمن میں قیادت اور اردو ادب کو منفرد علمی پرچہ بنانے کا اعتراف کھلے دل سے کیا ہے۔

آخری بات: اردو ادب شاید اردو کا اب واحد پرچہ ہے جس میں پروف کی غلطی ڈھونڈنے کے لیے بھی محدب شیشہ لگانا پڑے گا، اور کوئی ایسی سطر بھی نہیں ملے گی جس کی شمولیت بغیر کسی غور و فکر کے کی گئی ہو۔ یہ افواہ عام ہے کہ اردو کے علمی پرچے فروخت نہیں ہوتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اردو والوں کا ایک مخصوص نام نہاد پڑھا لکھا طبقہ اردو رسائل و جرائد خرید کر نہیں پڑھتا۔ اس کے برعکس سہ ماہی 'اردو ادب' نہ صرف خوب فروخت ہوتا ہے بلکہ یہ امیزون کے ذریعے شائقین کو آسانی سے ملنے والا اردو کا واحد جریدہ بھی ہے۔ خدا کرے انجمن اور اردو ادب کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

آیئے اب اس شمارے میں شامل کچھ اور اہم مضامین پر بھی گفتگو کرلیں۔ پہلا مضمون 'میر تقی میر کی دہلی: منظوم و منثور فارسی آثار کی روشنی میں' ہے۔ مضمون نگار پروفیسر شریف حسین قاسمی ہیں جو اس وقت ہندو پاکستان میں فارسی کے سب سے بڑے عالم ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی ان کی ناقابلِ تصور قدر و منزلت ہے۔ بیخود دہلوی پر ان کا کام بے مثال ہے۔ میر پر ان کا مضمون خدائے سخن کے فارسی دیوان 'نکات الشعرا'، 'فیضِ میر' اور 'ذکرِ میر' میں مذکور قدیم دہلی کے سماجی و تاریخی واقعات پر مشتمل ہے۔ مضمون میں میر کے فارسی دیوان میں شامل ایک مثنوی کا اردو ترجمہ بھی قاسمی صاحب کے قلم سے شامل ہے جس میں دہلی کے اجڑنے کا احوال نہایت افسردگی اور رنج سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا تحقیقی مضمون ڈاکٹر بیدار بخت کا ہے جس کا موضوع 'میر کے چند محاوراتی اشعار' ہے۔ یہ مضمون دراصل بیدار بخت کے ایک طویل تحقیقی کام کا محض ایک گوشہ ہے۔ جناب بیدار بخت دراصل میر، غالب، داغ اور بہادر شاہ ظفر کی غزلوں میں موجود ایسے اشعار جمع کررہے ہیں جن میں دلّی کے محاوروں کا استعمال ہوا ہو۔ وہ خود بھی دلّی والے ہیں۔ یہ مضمون ان کے اسی تحقیقی کام کی ایک کڑی ہے جس میں میر کے اشعار میں موجود محاورات نشان زد کر کے ان کے معنی بھی بتائے گئے ہیں۔ اس مضمون میں 151 اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

تیسرا مضمون 'میر تقی میر: تازہ تحقیقات و انکشافات کی نوعیت و صورت' ہے جسے پروفیسر معین الدین عقیل نے تحریر کیا ہے۔ مضمون میں 'مجموعۂ نیاز' نامی ایک تالیف کا تفصیلی ذکر شامل ہے جس پر میر کی تالیف ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ مضمون کے ساتھ میر کا اپنا منتخبہ کلام بھی شامل ہے جو قارئینِ میر کے لیے ایک مسرت آمیز انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ پروفیسر اخلاق آہن کا مضمون 'میر کی فارسی شاعری، اختصاص و امتیاز' طالبِ علموں اور محققین دونوں ہی کے لیے اہم ہے جس میں مضمون نگار نے اپنے مخصوص انداز میں دلائل و شواہد کے ساتھ میر کے فارسی کلام کے نئے پہلو روشن کیے ہیں۔

پروفیسر سرور الہدیٰ کا مضمون 'آبِ حیات اور میر' میں اس پر غور کیا گیا ہے کہ اس کتاب کو سنجیدگی سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ خالد ندیم کا مضمون 'تلمیحاتِ میر: انبیاے کرام کے حوالے سے' میر کے منفرد گوشے کو روشن کرتا ہے۔ اردو شاعری میں تلمیح نگاری کی روایت قدیم ہے اور تقریباً ہر شاعر اپنے کلام میں کبھی نہ کبھی تلمیح کا استعمال ضرور کرتا ہے۔ میر نے بھی اپنے کلام میں متعدد مقامات پر تلمیح کا استعمال کیا ہے لیکن اس مضمون کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں صرف انبیاے کرام سے متعلق تلمیحات کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ یہ مضمون اپنی نوعیت کا منفرد مضمون ہے اور میرے حقیر مطالعے میں اس سے قبل اس نوعیت کا کوئی اور مضمون نہیں آیا۔

رالف رسل کا ایک طویل مضمون بعنوان 'میر: ایک شخص اور اس کا عہد' ہے جو گوشۂ قندِ مکرر میں شامل ہے، یہ دراصل رالف رسل اور خورشید الاسلام کی مشہور تالیف Three Mughal Poets : Mir, Sauda & Mir Hasan کے چھٹے اور آخری باب کا ترجمہ ہے جسے پروفیسر ارجمند آرا نے اردو کا قالب عطا کیا ہے۔ یہ مضمون میر کے اردو قارئین کے لیے نہایت بیش قیمت تحفہ ہے۔ اس مضمون میں بھی ارجمند آرا کے رواں دواں برجستہ ترجمے نے نفسِ مضمون کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اس طویل مضمون میں تاریخی شواہد کے ساتھ میر کی شخصیت، ان کی زندگی کے نشیب و فراز اور فن کے پس پردہ عوامل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی گوشے میں علی سردار جعفری کا تحریر کردہ وہ مقدمہ بھی شامل ہے جو انھوں نے میر کے دیوان کا ناگری ایڈیشن مرتب کرتے وقت غالباً 1960 میں لکھا تھا۔ یہ نسخہ اب دستیاب نہیں ہے اس لحاظ سے اس مقدمے کی اشاعت ایک نہایت اہم اور ضروری قدم اس لیے ہے کیوں کہ فی الوقت میر اور غالب کا کلام ناگری لپی میں بھی مقبولیت حاصل کررہا ہے۔ اس مقدمے کے ذریعے موجودہ نسل کو میر کو نئے زاویے سے سمجھنے میں بے حد مدد ملے گی۔

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سہ ماہی 'اردو ادب' کا یہ خصوصی شمارہ میر کے کلام، ان کی شخصیت اور ان کے فن پر بحث کے نئے باب وا کرنے کے ساتھ ان کی شاعری کی تفہیم و تشریح میں بھی قابلِ ذکر کردار ادا کرے گا۔ یہ شمارہ نہ صرف تحقیق کے طلبہ کے لیے بے حد اہم ہے بلکہ اردو ادب اور میر سے شغف رکھنے والے ہر قاری کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

ڈاکٹر حمیرہ عالیہ
رئیسہ اپارٹمنٹ، لکھنؤ
Mob: 9140807085
E-mail: humaira7.ha@gmail.com

لوک ادب بھائی چارہ، قومی یکجہتی اور اخوت کا ضامن

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

یہ مشترکہ سمپوزیم دراصل حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اور ان کے سلسلے کے بزرگوں کی تصانیف کا 'اردو میں لوک ادب' کے حوالے سے اس علاقے میں اردو کے اولین نثری و شعری آثار کی گمشدہ کڑیوں کی تلاش میں اہم پیش رفت ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر ماجد داغی نے 'اردو میں لوک ادب' سمپوزیم کے انعقاد کے لیے چندر بھان خیال سے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندستانی زبانوں کی ترقی و ترویج اور ادبی سرگرمیوں کے فروغ اور ہندستانی زبانوں کے مابین باہم روابط جیسے اہم مقاصد کے تحت ساہتیہ اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا تھا۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو گلبرگہ کی 60 سالہ خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انجمن اردو زبان و ادب کے فروغ اور اردو ذریعۂ تعلیم کے استحکام کے لیے مسلسل سرگرم ہے۔ ڈاکٹر اکرم نقاش (صدر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ) نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اردو کا لوک ادب غیر معمولی اہمیت کا متحمل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے مخالفین اردو کے لوک ادب کو ہی ہندی کا لوک ادب بتاتے ہیں۔ انھوں نے اردو کے لوک ادب کی تاریخ کا جائزہ لینے اور اردو کی نئی نسل بالخصوص ریسرچ اسکالروں کو اردو کے لوک ادب کی افادیت و معنویت سے واقف کروانے کے لیے انجمن ترقی اردو گلبرگہ نے ساہتیہ اکیڈمی کے اشتراک سے اردو میں لوک ادب کے زیرِ عنوان بامقصد سمپوزیم منعقد کیا۔ سمپوزیم میں ڈاکٹر وہاب عندلیب (سابق صدر کرناٹک اردو اکیڈمی بنگلور) نے مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے شرکت کی۔

ڈاکٹر اکرم نقاش نے سمپوزیم کے پہلے سیشن کی صدارت فرمائی اور سمپوزیم میں پڑھے گئے مقالات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے انھوں نے مقالہ نگاروں کی اردو میں لوک ادب پر تحقیق و جستجو کی ستائش کی۔ پروفیسر آمنہ تحسین (صدر شعبۂ نسواں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد) نے 'اردو لوک ادب میں نسائی فکر و اظہار کی جہتیں' کے زیرِ عنوان مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ لوک ادب میں خواتین کی عملی حصہ داری بہت زیادہ ہے۔ انھوں نے خواتین کو انسانی بقا کی اہم طاقت قرار دیتے ہوئے کہا کہ نسائی احساسات و جذبات چوں کہ فطری ہوتے ہیں اسی لیے نسائی احساسات و جذبات کا عنصر لوک ادب پر غالب ہے۔ لوک ادب سے خواتین کی سماج میں کلیدی حصہ داری کا علم ہوتا ہے۔ انھوں نے ڈھولک کے گیتوں، محاوروں اور کہانیوں کے لفظیات کو لوک ادب کی مقبولیت کی وجہ قرار دیا۔

مباحثِ میرؔ کے باب میں ایک نئی علمی اور اہم کوشش

سہ ماہی 'اردو ادب' کا 'میر تقی میرؔ' نمبر

حمیرہ عالیہ

خدائے سخن میر تقی میرؔ پر علمی کام تو ہمیشہ ہوتا رہا مگر ان پر منظّم انداز کا پہلا کام جامعہ ملیہ اسلامیہ کا 1983 میں منعقد ہونے والا بین الاقوامی سمینار تھا جس کے مقالات ماہ نامہ 'آج کل' کے مارچ 1984 کے خصوصی شمارے میں شائع ہوئے۔ اس کے کچھ برس بعد شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب 'شعر شور انگیز' کی جلدیں شائع ہونا شروع ہوئیں جس کے بعد میرؔ پر تمام علمی مباحث اسی کتاب تک محدود ہوکر رہ گئے۔ آج بھی میرؔ پر تقریباً ہر مقالہ فاروقی صاحب ہی کے خیالات کی بازگشت ہوتا ہے، جو کسی طرح بھی مبارک بات نہیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) سے 103 برس سے مسلسل شائع ہونے والے سہ ماہی علمی مجلّے 'اردو ادب' کا 'میر تقی میرؔ' کے تعلق سے علمی مباحث میں در آئے اسی جمود سے باہر نکالنے کی نہایت جرأت مندانہ کوشش ہے جس کے لیے حوصلے سے زیادہ علم کی ضرورت تھی۔ اس خصوصی شمارے کے اداریے میں انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنے اداریے میں فاروقی صاحب اور 'شعر شور انگیز' کا نام لیے بغیر واضح الفاظ میں میر سے متعلق تحریروں میں در آئی یکسانیت کی تکرار سے نظریاتی برات کا اعلان کیا ہے: 'میر پر جو گفتگو بڑی مشکل سے کوئی چالیس برس پہلے تسلسل کے ساتھ شروع ہوئی تھی، وہ اس کے تقریباً بیس برس بعد ہی یکسانیت کا شکار ہوکر دم توڑ گئی' (ص 5)۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے قدوائی صاحب کہتے ہیں: 'اب یہ رویہ عام ہوگیا ہے کہ میر پر ہونے والے سمیناروں اور ان پر لکھی جانے والی دیگر تحریروں میں مقالہ نگار چند ایک پرانی کتابوں سے ہی کچھ مباحث اٹھا کر اپنے مقالات تحریر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے میر پر غور وفکر کے سوتے اب خشک ہوگئے ہیں۔' (ص 5)

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے 1983 کے میرؔ سمینار کو تقریباً چالیس برس ہی ہوئے ہیں، اس لیے، یہ جملے بہت سوچ سمجھ کر لکھے گئے ہیں۔ اگر 'شعر شور انگیز' کی تمام جلدوں کو 'مختلف کتابیں' پڑھا جائے تو بات آئینے کی طرح صاف ہوجاتی ہے۔ بات کو کہنے کا یہ نہایت مہذب طریقہ ہے۔

میرؔ جیسے بڑے شاعر کو ایک ہی کتاب کے مباحث سے آزاد کرانے اور ان پر کسی ڈسکورس کی ابتدا اتنے منظّم علمی انداز میں اردو میں اس سے پہلے نہیں ہوئی جو سہ ماہی 'اردو ادب' نے میرؔ کی تین سو سالہ ان تقریبات کے اختتام پر کی ہے جو انجمن نے 2024 میں پورے برس جاری رکھیں۔

خدائے سخن میرؔ اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں جن کی غزلوں کے چھے دواوین کے علاوہ 'تذکرۂ نکات الشعرا' اپنے بیٹے کے لیے 'پند نامہ'، 37 مثنویاں اور اپنے انداز کی وہ منفرد سوانح بھی انھوں نے لکھی جس کا سب سے منفرد حصہ عجیب وغریب ذہنیت کی سنسر شپ کی نذر ہوگیا تھا۔ اس آخری حصے کا مکمل ترجمہ بھی 'اردو ادب' کے اس خصوصی شمارے میں شائع ہوا ہے۔

میر تقی میرؔ پر آخر کسی نئے ڈسکورس کا آغاز کرنے جیسا کام کیسے کیا جائے، اس کے لیے اردو ادب کے مدیر ڈاکٹر اطہر فاروقی نے بہت غور و فکر کے بعد اس شمارے کی ابتدا انگریزی کے مشہور شاعر رنجیت ہوسکوٹے سے کی جنھوں نے میرؔ کے 150 اشعار کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ فاروقی صاحب کا اداریہ پہلا ورق اس شمارے میں شاید اس لیے شامل نہیں ہے کہ اس شمارے کے ہر سطر پر ان کے نظریے کی مہر لگی ہوئی ہے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے رنجیت ہوسکوٹے کو دہلی مدعو کر کے ان کی کتاب The Homeland's an Ocean, Penguin Books, 2024 پر ان سے نہ صرف تقریر کرائی بلکہ وہ سوالات جو مدیر کے ذہن میں میرؔ کے تعلق سے نئے مباحث کے آغاز کے لیے رہے ہوں گے، ان پر مبنی ایک تفصیلی انٹرویو بھی لیا گیا جو اس شمارے میں شائع ہوا ہے۔ ان دونوں تحریروں میں زیادہ تر نئی باتیں ہیں۔ ہم کسی نئے علمی ڈسکورس کی ابتدا کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ حقائق تبدیل نہیں ہوسکتے۔ ہوسکوٹے کی تقریر اور انٹرویو دونوں میں نہایت سلیقے کے ساتھ میرؔ کی شاعری کے حوالے سے (ظاہر ہے کہ حقائق کے حوالے سے اس لیے نہیں کیوں کہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ وہ تبدیل نہیں ہوتے) ہر بات تقریباً نئی ہے۔ میرؔ کے تعلق سے کئی باتیں زنگ لگے نٹ بولٹوں کے جام ہونے کی طرح ذہنوں سے جس طرح چپک گئی ہیں ان کا استرداد بھی میرؔ پر ہوسکوٹے کی گفتگو اور انٹرویو دونوں میں ہے مثلاً: 'میں نے اس ترجمے میں علاماتِ وقفہ کا استعمال کیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف علامات اور اضافت کو حذف کر دینے سے ہی استعارات کے جہات وسیع ہوں۔ استعارے کے کثیر الابعاد ہونے کا تعلق قاری کے ذہنی افق اور اس کی شاعرانہ فہم سے ہے، نقاد کی تشریح سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔' (ص 40)۔ یہ سطور 'شعر شور انگیز' کی سب سے اہم سمجھی جانے والی انفرادیت، جس میں علاماتِ وقفہ اور اضافت کو حذف کر دیا گیا ہے، کو ہی مسترد کر دیتی ہیں۔ رنجیت ہوسکوٹے کی ذہنی دنیا انگریزی کی ہے، اس لیے، ان سے انٹرویو لینے کے لیے سلمان خورشید صاحب کا انتخاب کیا گیا جن کی عام شہرت تو سیاست داں کی ہے مگر ان کی علمی اختصاص انگریزی ادب خصوصاً انگریزی ڈرامہ ہے، اور وہ عرصۂ دراز تک اوکسفرڈ یونی ورسٹی میں قانون کے استاد رہے ہیں، اس لیے، انٹرویو میں اندھا گائے اور بہرہ بجائے، کا مقام کہیں نہیں آیا۔ کئی جگہ انگریزی ادب کے حوالے کچھ اس طرح آئے ہیں کہ وہاں اگر سلمان خورشید صاحب کی جگہ کوئی اردو والا ہوتا تو یقیناً چوک جاتا۔

اس خصوصی شمارے کی دوسری خصوصیت 'ذکرِ میر' کے اس آخری حصے کا ترجمہ اور فارسی متن کی شمولیت ہے جسے فحاشی کی عجیب وغریب اخلاقیات کے نام پر مولوی عبدالحق نے 1928 میں انجمن کے پلیٹ فارم سے ہی مخطوطے کو کتابی شکل میں شائع کرتے وقت حذف کر دیا تھا۔ ادب میں فحاشی کا معاملہ تو سراسر اضافی ہے۔ دوسرے میرؔ کی شاعری میں ان چند لطائف کو چھوڑ کر جو اس حذف شدہ حصے میں شامل ہیں، ایسے اشعار کی بھرمار ہے جنھیں آج بھی بہ آوازِ بلند پڑھتے ہوئے تکلف ہوتا ہے۔ دل چسپ بات مگر یہ ہے کہ کسی مذہبی عالم نے کبھی میرؔ کے ان اشعار کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اردو معاشرے نے بھی اس فحاشی پر کبھی کسی منفی ردِّعمل کا اظہار نہیں کیا۔

انجمن سے ہی 'ذکرِ میر' کے متن کی کتابی شکل میں مکمل اشاعت (2024) اور اس کے آخری حصے کے نظرِ ثانی شدہ ترجمے کی اس شمارے میں اشاعت اردو کے سب سے بڑے نظریاتی ادارے کے عمل کو مخصوص تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اردو کے ادارے اب اپنے عمل میں کسی نظریے کے پابند نہیں۔ وہ اس پر سوچتے بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ اگر سوچتے ہیں تو یہ کہ ان کی کسی بات سے حکومت ناراض نہ ہوجائے۔

رنجیت ہوسکوٹے نے ترجمے کو 'سراسر سیاسی عمل قرار دیا ہے' (ص 14)۔ ترجمہ ہی نہیں، زبان کا سارا معاملہ ہی سیاسی ہوتا ہے، اور ادب کو سیاسی فہم کے بغیر سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ میرؔ کو اس زمانے کے سیاسی حالات سے عدم واقفیت کے بغیر پڑھنے کا دعوا کرنے والا دنیا کا معصوم ترین آدمی ہوگا۔ رنجیت ہوسکوٹے کے 150 اشعار کے انتخاب اور ان کے ترجمے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ 'اردو ادب' کی معاون مدیر ڈاکٹر صدف فاطمہ صاحبہ نے 'ذکرِ میرؔ' کے اس آخری حصے کا — جو لطائف پر مشتمل ہے — فارسی سے نہ صرف بے مثال اردو ترجمہ کیا ہے بلکہ انھوں نے جو حواشی لکھے ہیں، اس کے لیے بھی جس علم اور فارسی تہذیب سے واقفیت کے ساتھ اس کی فہم کی ضرورت ہے، وہ بھی ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***